ہیں۔ اور یہ خواب کیا ہے؟ یہ خواب ہے ہندوستان میں ہندو قوم کی فرمانروائی۔

اسی سلسلے میں قومیت کے اسلامی اور مغربی تصور کا فرق بتایا گیا ہے اور سمجھایا گیا ہے کہ اسلامی نظریہ کی اساس کن چیزوں پر ہے۔ اسلام اپنا ایک الگ اور مستقل نظامِ حیات رکھتا ہے اس لیے نہ وہ دوسرے نظامات میں جذب ہو سکتا ہے اور نہ ان کے ساتھ تعاون ہی کر سکتا ہے۔

یہ تمام دلائل پیش کرتے ہوئے یہ تقاضا کیا گیا ہے کہ شمالی مغربی ہند کو بقیہ ہندوستان سے کاٹ کر یہاں ایک آزاد حکومت قائم کی جائے چونکہ اس خطے میں مسلمانوں کی اکثریت ہے اس لیے یہاں "مسلم راج" ہونا چاہیے۔ اسی طرح بنگال اور بعض قریب کے اضلاع کو ملا کر ایک دوسرا وفاق تیار کیا جائے جہاں ایک اور مسلم اسٹیٹ قائم ہو۔ باقی ملک کو راجستان، ہندوستان اور دکن، تین منطقوں یا وفاقوں میں بانٹ دیا جائے اور وہاں "ہندو راج" ہو۔ ان پانچوں وفاقوں میں آزاد حکومتیں قائم ہوں۔ پھر اگر یہ چاہیں تو آزاد رہیں اور ضرورت سمجھیں تو بعض مشترک اغراض کے لیے ایک تحالف (کانفڈریسی) میں شریک ہو جائیں۔

اس امر کے سمجھانے کی کافی وشافی کوشش کی گئی ہے کہ مسلمان ایک علٰحدہ قوم ہیں، اُن کا ایک مخصوص اور متمیز تمدن ہے، ایک الگ تاریخ ہے، وہ ایک خاص عقیدے اور روایات کے حامل ہیں، لہٰذا اُن کی "قومی" زندگی کے لیے ضروری ہے کہ اُن کا ایک قومی گھر بھی ہو، اپنا ایک الگ اسٹیٹ بھی ہو۔ حُسنِ اتفاق سے "انڈستان" میں مسلمان پہلے ہی اکثریت میں ہیں اور یہ تاریخی، نسلی، تمدنی، معاشی اور دوسرے اعتبارات سے ہندوستان کی باقی قوموں سے مختلف بھی ہیں۔ پس ان کی طرف سے اپنی ایک علٰحدہ سلطنت قائم کرنے کا مطالبہ جائز اور فطری ہے اور ان کی ہیئت اجتماعیہ کے بقا کے لیے یہ ضروری ہے۔

ساری کتاب پڑھ جانے کے بعد چند باتیں خاص طور پر دماغ کو سوچنے پر مجبور کرتی ہیں:

(۱) اول یہ کہ مصنف کی نظر میں ہندوستان کے مسلمانوں جیسے نیک اور معصوم لوگ دنیا میں اور کہیں نہیں بستے۔ یہ اللہ تعالیٰ کے مقبول اور محبوب بندے ہیں۔ مگر باوجود اس کے ہندوؤں نے ان پر مسلسل اور بے پناہ ظلم

ڈھائے گئے ہیں - اپنی شماری اکثریت کی بنا پر انگریز کے قائم کردہ نیم جمہوری نظام سے فائدہ اٹھا کر غریب اور بے دست و پا مسلمانوں کو خوب کچلا ہے - اور اب اُنکے ساتھ رہنا ناقابل برداشت ہے۔ مصنف نے کہیں بھولے سے بھی یہ نہیں لکھا کہ آخر یہ مسلمان خود اس ملک میں ایک ہزار سال سے کیا کرتے رہے ہیں - انکی اخلاقی و معاشرتی زندگی کس سانچے میں ڈھلی - انہوں نے اپنی قوتوں کو کن مقاصد زندگی کے پیچھے صرف کیا - انکے سیاسی، معاشی، تعلیمی اور اخلاقی تنزل میں انکے اپنے کرتوتوں کا کتنا دخل ہے - انہوں نے اپنی تہذیب اور روایات کو آخر کیوں نہ محفوظ رکھا - انگریز اور ہندو کی سیاست سے کیوں دھوکا کھا گئے - اور اگر یہ غلطیاں ہوئیں تو ذمہ دار کون ٹھیرا؟ قابل مصنف نے دور دور کی باتیں تو بہت دیکھی ہیں مگر افسوس کہ اپنے گھر کا جائزہ نہ لیا کہ یہاں کیسا سامان پڑا ہے، کہاں سے آیا ہے، اسکی کیا قدر و قیمت ہے، اسکا کیا مصرف ہے غیروں کو کوسنے اور لعنت ملامت کرنے سے حاصل کیا؟ خود اپنا ذہن گندہ ہوتا ہے - اپنے ظرف کا پتہ چلتا ہے - اپنا نقصان ہوتا ہے - دراصل یہ ایک عظیم الشان خود فریبی ہے جس میں آج ہندی مسلمانوں کا قریب قریب کل علمی طبقہ مبتلا ہے - اسی کتاب میں ایک جگہ تو اسلام کے اعلیٰ آئینِ اخلاق اور بہترین اصول معاشرت پر فخر کیا گیا ہے اور دوسری جگہ سیکڑوں صفحوں میں ہندوؤں کو برا بھلا کہا گیا ہے - اور پھر یہ بھی توقع ہے کہ ہندو ٹھنڈے دل سے ان مسائل پر غور و خوض بھی کریں گے!

(۲) دوسری بات جو ایسی ہی نمایاں ہے وہ یہ ہے کہ سارا الزام ہندوؤں پر رکھا گیا ہے حکومت کی طرف کہیں ہلکا سا اشارہ بھی موجود نہیں اور ہے تو بہت مودبانہ انداز میں، جس سے اگر آئے تو وفاداری ہی کی بو آئے شکایت کی جھلک شاید ہو۔ دنیا جانتی ہے کہ انگریزی اقتدار نے اس ملک کے نام نہاد مسلمانوں کے رہے سہے علمی سرمایہ کو بھی کس طرح لوٹ کر برباد کیا اور کس طرح ہندوستان کی غیر مسلم قوموں سے اشتراک عمل کر کے مسلمانوں کو تاخت و تاراج کیا - باوجود اسکے اُس اقتدار اعلیٰ کو بے گناہ اور صرف اُسکے آلہ کار ہی کو گناہگار ٹھیرانا ایک عجیب بات ہے -

(۳) تیسری اور بڑی اہم چیز یہ ہے کہ مغربی تصور قومیت کو جھٹلاتے ہوئے خود اُسے صحیح تسلیم کر لیا گیا ہے - حیرت ہے کہ فاضل مصنف کو یہ کھلا ہوا تضاد نظر نہ آیا - غالباً اسکی وجہ یہ ہے کہ ساری مسلم "قوم" اسوقت اسی دماغی الجھن میں گرفتار ہے مغرب میں قومیت کی بنیاد نسل، رنگ، زبان، مذہب، معیشت، تمدن، تاریخ، اور جغرافی حدود پر رکھی جاتی ہے انسانوں کی

ایک بڑے گروہ میں جب یہ چیزیں مشترک ہوں تو وہ ایک قوم بنتے ہیں۔ ضروری نہیں کہ قومیت بنانے کے لیے یہ تمام اجزاء موجود ہوں بہرحال انہیں کے متنوع مرکبات سے قوموں کی تشکیل ہوتی ہے۔ ہندوستان کے ہندوؤں نے اسی تصور قومیت کو لیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ہندوستان ایک ملک ہے، اسکی ایک تاریخ ہے، یہاں کے بسنے والوں کا ایک تمدن ہے، وہ ایک زبان یعنی ہندوستانی بولتے ہیں، وہ یک رنگ ہیں وغیرہ وغیرہ۔ پس ہندوستان کا ہر شخص ہندوستانی قومیت رکھتا ہے عام اس سے کہ اس کا مذہب اسلام ہو یا کچھ اور۔ اسکے جواب میں ہمارے مسلمان بھائی بیک وقت دو مختلف باتیں کہتے ہیں۔ ہندوستانی قومیت کی تردید کرنے کا جب موقع آتا ہے تو کہتے ہیں کہ اسلامی قومیت رنگ، نسل، زبان، وطن وغیرہ سے منزہ ہے اور صرف وحدت عقیدہ، وحدتِ مسلک اور وحدت مقصد پر قائم ہے۔ بخلاف اسکے جب قومی گھر کا مطالبہ کرنے کی نوبت آتی ہے تو یہ لوگ اسی تصور قومیت کو جوں کا توں لے لیتے ہیں جسکو ابھی جھٹلا چکے ہیں۔ اس وقت ان کا استدلال یہ ہوتا ہے کہ شمالی مغربی ہند ایک الگ جغرافی خطہ ہے، یہاں کے رہنے والے زیادہ تر مسلمان ہیں جنکا ایک مذہب ہے، ایک تاریخ ہے، ایک زبان ہے، ایک معاشرت ہے، ایک تمدن ہے، ایک نسل ہے، ایک رنگ ہے، اس لئے یہ اس خطے میں حکومت کرنے کے فطری طور پر حقدار ہیں۔ اُن کا یہ حق تسلیم۔ مگر کوئی یہ سمجھائے کہ پاکستان کے اس نظریے اور مغربی قوم پرستی میں فرق کیا ہے؟ کہنے کو آپ کہہ لیجیے کہ ہماری قومیت کی بنیاد عقیدے اور ایمان پر ہے لیکن جسطرح ایک ہندو بھگوان پر ایمان رکھتے ہوئے یورپ سے لائی ہوئی وطن پرستی کو اپنا بُت بنا لیتا ہے اسی طرح یہ ہندی مسلمان بھی توحید، رسالت، خلافت، دین اور شرع کے تخیل کو اپنے سینوں میں محفوظ رکھتے ہوئے بلاتکلف وہ سب کچھ کر رہے ہیں جسکے خلاف وہ چیخ چیخ کے علم جہاد بلند کرتے ہیں۔ ہم سمجھنے سے قطعاً قاصر ہیں کہ پاکستان پرستی کا نظریہ ہندوستان پرستی سے کس حالت میں مختلف ہے۔ یہ بالکل وہی آواز ہے جو ایک نرالے ساز سے نکل رہی ہے ورنہ فرق ذرہ برابر نہیں۔

واقعہ یہ ہے کہ نظریہ پاکستان کی بنیاد مسلم نیشنلزم پر ہے۔ جس طرح بنی اسرائیل یہ سوچتے ہیں کہ ایک مرتبہ خدا نے انکو منتخب کر لیا، اب وہ ابدالاباد کیلیے اسکے خاص اور مقبول بندے ہو گئے اور ان

کی ایک مستقل قوم بنگئی، اسی طرح مسلمان بھی یہ سوچنے لگا ہے کہ اسلام اسکو وراثت میں ملا ہے، وہ تمام لوگ جو مسلمانوں کے گھر پیدا ہوئے ہو بہر حال مسلمان ہیں، خواہ وہ کچھ ہی کرتے پھریں، زندگی میں کچھ ہی نظریہ رکھیں، یہاں تک کہ وہ اسلام سے اتنے ہی دور رہوں بلکہ اس سے بھی زیادہ جتنا کہ ایک ہندو یا عیسائی یا یہودی یا دہریہ ہو سکتا ہے، پھر بھی ماشاءاللہ وہ مسلمان ہی رہتے ہیں اور انکی ہیئت اجتماعی کا نام مسلم قومیت ہی رہتا ہے۔ قومیت کا یہ سراسر جاہلی تصور ہے۔ اسکو اسلام سے کوئی واسطہ نہیں۔ اسلام نطفہ یا وراثت میں کبھی منتقل نہیں ہوتا۔ وہ تو ایک پارٹی کریڈ ہے۔ اگر ہم اس پر ایمان اور عمل چھوڑ دیں تو آج ہی غیر مسلم ہو جاتے ہیں۔ لہذا پہلی بات یہ ہے کہ ان تمام انسانوں کو جو مسلمان والدین سے پیدا ہوئے مسلمان قوم فرض کر لینا ہرگز جائز نہیں۔ دوسرے یہ کہ اگر صحیح معنوں میں کوئی اسلامی جماعت موجود ہو تب بھی اس کا کام خدائی حکومت قائم کرنا ہے نہ کہ "اپنی"۔ اور یہاں یہ عجیب شور و ہنگامہ ہے کہ ہندوستان میں ہندو حکومت کریں اور پاکستان میں "ہم"۔ پس اگر اس حکومت کو اسلامی حکومت کہا جائے تو یہ صریح دھوکا اور فریب ہے۔

(۴) یہ بات اور بھی زیادہ واضح ہو جاتی ہے جب ہم یہ پڑھتے ہیں کہ پاکستان میں ایک جمہوری نظام قائم ہوگا جس میں ہندوؤں، سکھوں اور دوسری اقلیتوں کو پورے پورے تحفظات کے ساتھ شریک فی الحکم کیا جائیگا۔ اسلام کے نزدیک تو یہ مجوزہ نظام ویسا ہی باغیانہ اور کافرانہ ہے جیسا کہ روس، جرمنی اور انگلستان میں ہے۔ اسلام کی تو ہر غیر الٰہی حاکمیت سے مستقل جنگ ہے خواہ وہ حاکمیت کسی ایک شخص یا ایک قوم کی ہو خواہ ہندو یا عیسائی یا مسلمان کی مشترک ہو۔ حتیٰ کہ اگر ساری دنیا کے مسلمان مل کر بھی "اپنی" حکومت قائم کرنا چاہیں تو وہ اسلام سے باغی قرار دیے جائینگے۔ خود اختیاری (سلف ڈٹرمینیشن) کا تخیل ایک جاہلی تخیل ہے۔ دراصل یہ قوم پرستی اور وطن پرستی کا دوسرا نام ہے۔ مسلمان اس تخیل کی جڑ کاٹنے آیا ہے نہ کہ دوسروں کے توڑ پر خود اپنی خود اختیاری کا حق جتانے۔

(۵) فاضل مصنف نے اس امکان کو بھی محفوظ رکھا ہے کہ انگریز کے زیر سایہ رہکر "ہندوستان" میں اسلامی خلافت کس طرح قائم ہو سکتی ہے! اس جسارت یا لاعلمی پر جسقدر افسوس کیا جائے کم ہے۔ آخر اسلام ہی کا لیبل لگا کے دنیا میں ہر فعل کیوں کیا جائے؟ کس نے مجبور کیا ہے کہ آپ خواہ مخواہ اسلام پر احسان کیجیے؟

اگر یہ جنس مرغوب نہیں تو چھوڑ دیجیے، یہ کوشش کیوں ہو کہ رند کے رند رہے ہاتھ سے جنت نہ گئی ۔

(۶) سب سے زیادہ مضحکہ خیز بات یہ ہے کہ ہندوستان کی غیر مسلم قوموں اور انگریزوں سے تقاضا کیا گیا ہے کہ وہ پاکستان میں "مسلم قوم" کی حکمرانی تسلیم کریں۔ اسلامی نظام کا تو ذکر ہی کیا، کسی جاہلی نظام میں بھی یہ قاعدہ معقول اور مسلّم نہیں ہے۔ جو قومیں خود اپنا اقتدار چاہتی ہیں، اور جہاں بانی کا حوصلہ رکھتی ہیں، وہ حکومت مانگا نہیں کرتیں، لڑ کر اپنی خواہش پوری کرتی ہیں ۔

ان صفات کے باوجود کتاب دلچسپ ہے اور غالباً نظریۂ پاکستان کی سب سے اچھی وکالت ہے ۔ لیکن دو چیزیں سمجھ میں نہ آئیں ۔ ایک یہ کہ کتاب کا انتساب بیک وقت ڈاکٹر اقبال مرحوم اور سر فضل حسین کے نام کیوں کیا گیا ہے ۔ آخر ان دو شخصیتوں میں ذہنی یا نظری طور پر کیا چیز مشترک تھی؟ مصنف کو دونوں سے عقیدت ہو یہ اور چیز ہے لیکن اُس کا یہ کہنا کہ ان دو بزرگوں کی خدمات بھی ایک ہی نوعیت کی ہیں واقعی حیرت انگیز ہے ۔ دوسری بات یہ کہ مصنف نے کتاب پر اپنا نام نہیں دیا ہے ۔ آجکل پاکستان تحریک اور ہندی مسلم سیاست کے متعلق زیادہ تر لٹریچر فرضی ناموں سے شائع ہو رہا ہے ۔ اسکی وجہ غالباً یہ ہے کہ لکھنے والے زیادہ تر سرکاری نوکر یا سرکاری ملازم ہیں ۔ قانونی طور پر مجبور ہیں کہ اپنے نام شائع نہ کریں ۔ لیکن وہ یہ نہیں خیال کرتے کہ وہ اپنی قوم کے دل و دماغ ہیں اور ان کے حوصلہ و جرأت کا حال یہ ہے کہ نام کے اظہار سے بھی ڈرتے ہیں ۔ پھر کیا انکی یہ توقع بے سود نہیں کہ قوم کے عوام ہمت کر کے آگے بڑھینگے اور پاکستان میں اسلام کا جھنڈا گاڑ دینگے ۔

بقیہ صفحہ ۱۶:۔ کس طرح ایک سچے آدمی کی زبان ایسے عقیدہ کی حمایت میں کھل سکتی ہے جس کو وہ فی الواقع باطل سمجھتا ہے؟ اور کس طرح وہ اُس چیز کے قیام کی راہ میں جان و مال سے جہاد کر سکتا ہے جو اسکے اعتقاد میں حق نہیں بلکہ طاغوت ہے؟ ان سوالات کا جواب پبلک میں تو بہت سے لنگڑے لُولے عذرات کے ساتھ دیا جاتا ہے مگر پرائیویٹ صحبتوں میں صاف اقرار کر لیا جاتا ہے کہ دراصل اس راہ پر ہم اسلیے چل رہے ہیں کہ دین حق کے قیام کی راہ میں اس وقت بے حد مشکلات حائل ہیں۔ یہ وہی بات ہے جسکی طرف میں اوپر اشارہ کر چکا ہوں کہ ان لوگوں نے نہ تو مشکلات کی نوعیت کو سمجھا، نہ ان کو دور کرنے کی فکر کی، بس سرسری نظر میں صرف یہ دیکھ لیا کہ مشکلات حائل ہیں اور پھر ان سے دہشت زدہ ہو کر ایک غلط راہ پر چل پڑے۔

ایک اور گروہ نے تیسری راہ فرار اختیار کی ہے اور وہ پاکستان اسکیم کے نام سے مشہور ہے۔ یہ اسکیم دراصل ان لوگوں کے دماغ کی پیداوار ہے جنکے ذہن کی ساری تربیت مغربی اثرات کے تحت ہوئی ہے اور جنہوں نے تمدن و سیاست کے متعلق تمام تصورات یورپ کی تاریخ اور علوم عمران سے سیکھے ہیں۔ ایک مدت دراز تک تو ان لوگوں کی سمجھ میں یہی بات نہ آئی کہ انگریزوں نے ہندوستان کو ایک قوم فرض کر کے یہاں جو جمہوری دستور نافذ کیا ہے اس میں بنیادی غلطی کیا ہے۔ یہ اپنے آپ کو واقعی ہندوستانی قوم کا ایک جزو تسلیم کرتے رہے اور انکی تمام تر کوششیں صرف اس حد تک محدود رہیں کہ اس قومیت کی بنیاد پر جو جمہوری نظام بنایا جا رہا ہے اس میں اپنے لیے کوئی مناسب جگہ تلاش کریں۔ مگر جب کسی طرح چُول سیدھی نہ بیٹھی تو بمشکل انکی سمجھ میں یہ بات آئی کہ ہم کسی وطنی قومیت کے جزو نہیں ہیں بلکہ خود ایک مستقل قوم ہیں۔ لیکن "قوم" کے لفظ نے پھر انہیں دھوکا دیا۔ اس لفظ سے ان کا تعارف یورپین لٹریچر ہی کے واسطے سے ہوا تھا، اسلیے یہ سمجھے کہ ہم بھی ویسی ہی ایک قوم ہیں جیسی دنیا میں دوسری قومیں ہوا کرتی ہیں، اور چونکہ یہاں ہماری تعداد کم ہے لہذا ہم ایک قومی اقلیت ہیں اور ہمارے مسائل